رب کی طرف کیسے بُلائیں؟

نگہت ہاشمی

النور پبلیکیشنز

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
[120] شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [121] وَاٰتَيْنٰهُ
فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ [122] ثُمَّ اَوْحَيْنَآ
اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [123]
اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ [124] اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ
رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ
اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِيْنَ [125] وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ
صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ [126] وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا
تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِىْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ [127] اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ [128]

”واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یک سُو۔ وہ کبھی مشرک نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو منتخب کرلیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ دنیا میں اس کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا۔ پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسُو ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ رہا سبت، تو وہ ہم نے ان لوگوں پر مسلط کیا تھا جنہوں نے اس کے احکام میں اختلاف کیا اور یقیناً تیرا رب قیامت کے روز ان سب باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ [اے نبی ﷺ!] اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو، تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے۔ [اے نبی ﷺ!] صبر سے کام کیے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چال بازیوں پر دل تنگ ہو۔ اللہ اُن لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔“

اللہ ربّ العزت سورۃ النحل کے اس رکوع میں فرماتے ہیں:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ [120]

"واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا، اللہ کا مطیع فرمان اور یک سُو۔ وہ کبھی مشرک نہ تھا۔"

جب ساری دنیا کفر کی علمبردار تھی تو اکیلے ابراہیم علیہ السلام اسلام کے علمبردار تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قرآنِ حکیم میں انسانِ مطلوب کے طور پر پیش کیا گیا، جیسا انسان ربّ چاہتا ہے [The Most Wanted Personality] وہ نمونے کے انسان [model] کیوں بنے؟ اس لیے کہ پورے بگڑے ہوئے ماحول میں وہ تنہا اسلام پر قائم ہونے والے انسان تھے، اکیلے اللہ تعالیٰ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، جب کوئی نکلنے والا نہ تھا تو اللہ تعالیٰ کا یہ بندہ اکیلا اللہ کے لیے ڈٹ گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے آپ کو پوری طرح سے اللہ کی پابندی میں دیے ہوئے تھے، انہوں نے عالم گیر مشرکانہ ماحول میں اپنے آپ کو اللہ کے لیے یک سُو کر لیا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو خصوصیات یہاں پر واضح [Highlight] کی گئیں:

كَانَ اُمَّةً "اپنی ذات میں ایک امت۔"

قَانِتًا لِّلّٰهِ "اللہ کے لیے جھکے ہوئے، اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے"۔

حَنِيْفًا "یکسُو"۔

کیسے انسان تھے؟ ربّ العزت فرماتے ہیں:

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [121] وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ [122]

"اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو منتخب کر لیا اور سیدھا راستہ دکھایا۔ دنیا میں اس کو بھلائی دی اور آخرت میں وہ یقیناً

صالحین میں سے ہوگا۔"

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آتا ہے تو ان کی خصوصیات کی ایک لمبی فہرست آجاتی ہے۔کوئی نبی ایسا نہیں جس کے بارے میں یہ بات آئی ہو کہ اس نے تو وفا کا حق ادا کر دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں:

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ "اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا تھا۔"

اللہ تعالیٰ کی ذات نے اعتراف کیا کہ انہوں نے کس طرح سے اس کے احسانات کا شکر ادا کیا۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی ہوئی سمجھتے تھے،ان کا دل اللہ ربّ العزت کے شکر کے جذبے سے معمور رہتا تھا، بھرا ہوا۔ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے ان کے احساسات خود اُنہی کے الفاظ میں بیان فرمائے ہیں:

اِنِّىْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ [الصّٰفّٰت:99]

"میں تو اپنے رب کی طرف جاتا ہوں،عنقریب وہ میری رہنمائی کرے گا۔"

الَّذِىْ خَلَقَنِىْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ [78] وَالَّذِىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِ [79] وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ [80] وَالَّذِىْ يُمِيْتُنِىْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ [81] وَالَّذِىْۤ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِىْ خَطِيْٓـَٔتِىْ يَوْمَ الدِّيْنِ [82] [الشعرآء]

"جس نے مجھے پیدا کیا، پھر وہی میری رہنمائی فرماتا ہے۔جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے۔جو مجھے موت

دے گا اور پھر دوبارہ مجھ کو زندگی بخشے گا اور جس سے میں اُمید رکھتا ہوں کہ روزِ جزا میں وہ میری خطا معاف فرما دے گا۔"

کتنا خالص یقین ہے۔ایک اللہ کے ساتھ تعلق نے ایک انسان کو پوری امت بنا دیا، یہ ہے سچا ورلڈ لیڈر [world leader]۔ہے کوئی اس کے مقابلے کا ورلڈ لیڈر؟ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والا، جسے اللہ تعالیٰ نے منتخب کر لیا کمالِ ایمان کی وجہ سے، سیدھا راستہ دکھایا، اپنی ہدایت کی راہیں اس پر کھول دیں۔

اِجۡتَبٰهُ "اللہ نے ان کو چنا۔"

اپنی پیغمبری کے لیے تاکہ وہ ساری دنیا کو اللہ تعالیٰ کے دین سے آگاہ کریں۔

وَهَدٰهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ "ایسا راستہ دکھایا جو بالکل سیدھا تھا۔"

وَاٰتَيۡنٰهُ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً "دنیا میں اس کو بھلائی دی۔"

وَاِنَّهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيۡنَ [122]

"اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہو گا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں کیسے بھلائیاں ملیں؟

ذرا جائزہ تو لیں:

وطن چھوڑنا پڑا،

باپ بھی، گھر بھی، گھر والے بھی، سب کچھ،

بڑھاپے میں اولاد ملی،

اللہ کے حکم پر بیوی اور بچے کو بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑنا پڑا،

بیٹے کو اللہ کی راہ میں قربان کرنے کا حکم ملا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

”ہم نے اسے دنیا کی بھی بھلائیاں دیں۔“

دراصل انسان بڑا کوتاہ نظر ہے، اس کی سوچ دنیا کی چھوٹی سی زندگی تک محدود رہتی ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی بھلائی کیسے عطا کی؟ اگر وہ یہ قربانی نہ دیتے تو اس کی وجہ سے وہ مرکز کبھی نہ بنتا اور اس کی طرف دنیا کے لوگ کبھی نہ کھنچے جاتے اور اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے بیٹا مانگا کہ قربان کر دو تو اس میں دنیا کی بھلائی کیسے عطا کی؟ ہزاروں سال گزر گئے، سارے لوگ اُنہی کی یاد میں قربانیاں کرتے چلے جا رہے ہیں، اُنہی کے اس طرزِ عمل کے نمونے کے طور پر، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانیاں دیں تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی ایک ایک چیز، ان کے ایک ایک عمل کو یادگار بنا دیا۔

آج کا حج کیا ثابت کرتا ہے؟ یہ ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کی یادگاریں ہی تو ہیں، وہ اس جہان میں نہیں رہے لیکن ان کا عمل رہتی دنیا تک باقی ہے۔

دنیا میں حسنۃ (بھلائی) کیا ہے؟ کہ انسان کی اچھائی ہمیشہ کے لیے یادگار بن جائے، وہ اچھائی [Multiply] ہوتی رہے۔کیا جتنے لاکھ انسان ہر سال حج کرتے ہیں اور جتنے لاکھ افراد ہر سال کعبہ کی زیارت کو جاتے ہیں، اسی حسنۃ کو، اسی نیکی کو [Multiply] کرنا نہیں ہے؟ ایک عمل کے اثرات کو اللہ تعالیٰ نے اتنا [Multiply] کرایا کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں رہ گئی، بے حد، بے حساب اجر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نام پر سب متحد اور متفق ہیں، کسی مذہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے، سب اُنہیں اپنا لیڈر اور امام مانتے ہیں، عیسائی، یہودی، صابی، مسلمان۔اس کی وجہ کیا ہے؟ وہ حنیف تھے، یکسو تھے، ایک اللہ کی طرف رجوع کرنے والے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا نمونہ بنادیا، صبر اور شکر کا پیکر، مطیع فرمان، عبادت گزار، منبع ہدایت، سرچشمہ ہدایت، پھر فرمایا:

وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ[122]

"اور آخرت میں وہ یقیناً صالحین میں سے ہوگا۔"

یہاں پر اہل مکہ کو یاد دلایا جارہا ہے کہ وہ بستی کیسے بسی تھی؟ جس کے بارے میں ربّ نے یہ فرمایا:

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ [النحل112]

"اللہ تعالیٰ ایک بستی کی مثال دیتا ہے۔ وہ امن اور اطمینان کی زندگی بسر کر رہی تھی اور ہر طرف سے اس کو بفراغت رزق پہنچ رہا تھا۔ [یہ ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے تھا] کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفران شروع کردیا۔"

یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کا باپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرنے والا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو توجہ دلائی کہ دیکھو جن کی تم اولاد ہو، جن کے ساتھ تم نسبت قائم کرتے ہو، اپنی نسبت کو تو پہچان لو، جن کے ساتھ تمہارا تعلق ہے اس تعلق کی تو لاج رکھ لو۔ دیکھو! کون ہے تمہارا باپ؟ کیسا ہے؟ تمہیں بھی ویسا ہونا چاہیے۔

قَانِتًا لِّلّٰهِ "اللہ کے آگے جھکنے والا۔"

حَنِيْفًا "سب کو چھوڑ کر ایک اللہ کی طرف جھکنے والا۔"

کسی اور کی نہ ماننے والا۔

ایک اللہ کی ماننے والا۔

ایک اللہ کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے والا۔

وَلَمۡ یَکُ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ [120] ”دیکھو وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔“

دیکھو! انہوں نے یہ گھر اللہ کی توحید کے لیے بنایا تھا، ایک اللہ کی ذات کی بڑائی بیان کرنے کے لیے اور تم نے اس میں تین سو پینسٹھ [365] بت لا کر رکھ دیے، تم کیسے پیروکار ہو؟ تم نے اپنے باپ کی لاج ہی نہ رکھی۔ تم کہتے ہو آباء واجداد کے طریقے پر ہو، آؤ! تمہیں بتائیں کہ تمہارا باپ کون تھا؟ کس نے اس علاقے کو بسایا تھا؟ کس کی وجہ سے اس علاقے کو امن ملا تھا؟ کس کی وجہ سے اس علاقے کو بفراغت رزق پہنچا تھا؟

وہ جو اپنی ذات میں ایک امت تھا۔

وہ جو اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے والا تھا۔

وہ جسے اللہ ربّ العزت نے چن لیا تھا۔

وہ جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب کیا تھا۔

تم جو اپنے آپ کو منتخب شدہ سمجھتے ہو، برگزیدہ سمجھتے ہو

آؤ دیکھو! اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا انتخاب کیسا ہے؟

وَهَدٰهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ”اس کو اللہ تعالیٰ نے سیدھا راستہ دکھایا تھا۔“

وہ اس راستے پر چلا تھا اور دیکھو! دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ نے اُسے بھلائی عطا کی اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں سے ہوگا۔ پھر فرمایا:

ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا ؕ
”پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر چلو“

چھوڑ دو سب کچھ۔ صرف ایک طریقہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے:

قربانیوں کا طریقہ۔

اللہ تعالیٰ کے آگے جھکنے والے کا سا طریقہ۔

یکسو ہونے کا طریقہ۔

ایک بار پھر ربّ العزت فرماتے ہیں:

وَمَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ [123] ”وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔“

یہاں سے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں دنیا کی بھلائیاں بھی عطا کیں اور آخرت کی بھی۔ آج ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والے ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں ہیں لیکن اپنے دور میں ان کو کوئی ساتھ دینے والا نہ ملا، ان کے ساتھ عوام کی بھیڑ نہیں تھی، وہ مشہور نہیں تھے، وہ ایک ایسی شخصیت تھے جن کے بارے میں ربّ العزت نے فرمایا:

کَانَ اُمَّۃً ”وہ اپنی ذات میں ایک امت تھا۔“

کوئی جاننے پہچاننے والا نہیں۔

کوئی نیکی کی قدر کرنے والا نہیں۔

اس سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہتر وہ نہیں ہے جو عوام میں

مقبول ہو، مشہور ہو، جس کے بہت چاہنے والے ہوں، جس کے بہت اتباع کرنے والے ہوں، نہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں وہ بڑا ہے جس کے پاس دولت زیادہ ہے، جس کے پاس اقتدار بڑا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ کی نظر میں دنیا کی بہتری کون سی ہے؟

جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی تھی، وہ خصوصیات اور صفات جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اندر تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بہتری کو صفات کے روپ میں بتایا۔ یہ ہے حسنة۔ اللہ ربّ العزت فرماتے ہیں:

''ہم نے اُس کو دنیا کی بھلائی عطا کی تھی۔''

یہ ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، ساری انسانیت کے لیے نمونۂ ہدایت، مثال۔

ربّ العزت فرماتے ہیں:

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

''رہا سبت، تو وہ ہم نے اِن لوگوں پر مسلط کیا تھا جنہوں نے اس کے احکام میں اختلاف کیا۔''

سبت کے بارے میں ایک غلط فہمی تھی۔ ملّتِ ابراہیمی میں سبت کا کوئی وجود نہیں تھا، اس بات کو کفارِ مکہ بھی جانتے تھے، یہاں صرف اتنا اشارہ کیا گیا ہے کہ یہودیوں کے یہاں سبت کی جو سختیاں تم پاتے ہو یہ ابتدائی حکم نہیں تھا، یہود کی نافرمانیوں کی وجہ سے ان پر یہ سختیاں عائد کی گئی تھیں۔ پھر فرمایا:

وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ[124]

''اور یقیناً تیرا رب قیامت کے روز ان سب باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔''

یعنی یہ جھگڑے دنیا میں نپٹائے نہیں جاسکتے، آخرت میں ان کے فیصلے ہوں گے۔ پھر دنیا میں کرنے کا کام کیا ہے؟ ربّ العزت فرماتے ہیں:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّکَ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِہٖ وَھُوَ اَعْلَمُ بِالْمُھْتَدِیْنَ[125]

''[اے نبی ﷺ!] اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ، اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو، تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔''

دعوتِ دین ایک مومن کی ذمہ داری ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے دین کو پھیلانے کے لیے ایک طریقہ کار اختیار کیا۔ اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے لیے خالص، یک سُو اور سنجیدہ تھے، خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تھے، انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس تھا۔ جو بھی دعوت دیتا ہے، اُس کے اندر جب تک یہ خصوصیات نہیں ہوتیں وہ دعوت نہیں دے سکتا، اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں بلا سکتا۔

دعوت دینے والا دعوت کیوں دیتا ہے؟

اس لیے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا ڈر ہوتا ہے کہ اگر میں نے کتمانِ حق کیا، اگر حق کو

اپنے اندر رکھ لیا، چھپا لیا تو کل میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دوں گا؟ دعوت دینے کا جذبہ انتہائی سنجیدگی اور انتہائی خیر خواہی کی وجہ سے انسان کے اندر اُبھرتا ہے، یہ اندر سے اٹھنے والے جوار بھاٹے کی مانند ہے لیکن یہ اٹھتا کب ہے؟۔۔۔۔۔۔جب ایک انسان کو پیشی کا خوف ہوتا ہے، پوچھ گچھ کا خوف ہوتا ہے۔

کون سا انسان ہے جو دعوت نہیں دے سکتا؟

جس کو اللہ تعالیٰ کے آگے پیشی کا خوف نہیں۔

جس کو پکڑ کا احساس نہیں۔

جو یومُ الدّین پر یقین نہیں رکھتا، وہ اللہ کی بات دوسروں تک نہیں پہنچاتا۔

تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ

دعوتِ دین کے بنیادی اصول کیا ہیں؟

کیسے تم نے یہ دعوت دینی ہے؟

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ

''دعوت دو اپنے ربّ کے راستے کی طرف۔''

پہلی بات واضح ہوگئی کہ دعوت کس چیز کی دینی ہے؟ اپنے ربّ کے راستے کی طرف، یہ ربّ کی دعوت ہے۔

دینی کیسے ہے؟ تین اصول بتائے:

بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

☆ حکمت۔

☆ موعظہ حسنہ۔

☆ مجادلہ حسن

اب ہم دیکھیں گے کہ ان تین اصولوں کو کیسے پیشِ نظر رکھا جائے گا؟

توجہ طلب بات یہ ہے کہ یہ اصول وہی سیکھے گا جس کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ کا احساس ہوگا، جس کو یہ ڈر ہوگا کہ میں قیامت کے دن پکڑا جا سکتا ہوں، وہ یہ چاہے گا کہ میں ایسا طریقہ سیکھ لوں کہ جس کی وجہ سے بات اثر کر جائے، دلوں تک پہنچ جائے۔

پہلا اصول: حکمت

حکمت کیا ہے؟ حکمت کا مطلب یہ ہے کہ انسان سوچ سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی بات دوسروں تک پہنچائے۔ اللہ کی بات کو دوسروں تک پہنچاتے ہوئے یہ بات پیشِ نظر رہے کہ اس کے مخاطب انسان مختلف طرح کے ہیں، ہر ایک کی ذہنیت مختلف ہے، اِستعداد مختلف اور موقع محل مختلف۔ لہٰذا دعوت دینے والے نے یہ خیال رکھنا ہے کہ

☆ میں کسی بچے کو دعوت دے رہا ہوں یا کسی بڑے کو؟ کسی عورت کو یا کسی مرد کو؟ دیہاتی کو یا شہری کو؟ کسی ذہین انسان کو یا خبطی کو؟

☆ موقع کیسا ہے؟

☆ کیا موقع محل میں وہ بات فٹ آ رہی ہے؟

☆ بات مخاطب کے دل پر اثر کرے گی یا اسے اور زیادہ اللہ تعالیٰ سے دور کر دے گی؟

تو حکمت کا مطلب ہے کہ اندھا دھند بات نہ کی جائے کہ جو دل میں آیا کہہ دیا بلکہ سوچ سمجھ کر [Wisdom] سے بات کرنی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰہِ [بیہقی]

''حکمت کی اصل اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے۔''

جو انسان اللہ تعالیٰ کے خوف کے تحت زندگی گزار رہا ہو، جس کے اوپر اللہ کا ڈر چھایا رہتا ہو، وہی کسی دوسرے کا خیر خواہ بن کر اُس کو اللہ تعالیٰ کی بات پہنچا سکتا ہے۔ جیسے ایک ڈاکٹر بیماری کی تشخیص کرتا ہے، ایسے ہی ایک داعی [دعوت دینے والے] کو مرض کی تشخیص کرنی چاہیے، اسے یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ مسئلہ کیا ہے؟ مسئلے کو سمجھے بغیر ایسے ہی اندھادھند بات چیت جاری نہیں رکھنی چاہیے کیونکہ جس بیماری کا پتہ چلے گا اُسی کے مطابق اُس کا علاج ہوگا۔ ہر ایک کے دل و دماغ میں کوئی چیز ایسی ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ حق کے راستے سے ہٹا ہوا ہوتا ہے۔ کسی جگہ پر اس نے اپنی مائنڈ سیٹنگ[mind setting] کر رکھی ہوتی ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے یہ پتہ چلے کہ ذہن کو کہاں سیٹ کیا ہوا ہے؟ اس کا پتہ چل جائے تو پھر entry کا موقع مل جاتا ہے، رابطہ [contact] کرنا اور بات پہنچانا آسان ہو جاتا ہے۔ اگر [mind setting] ہی کا پتہ نہ چلے تو آپ اُوپر اُوپر سے جتنی جی چاہے باتیں کر لیں کوئی بات دل تک نہیں پہنچتی کیونکہ اُس فرد نے اپنے دل کو مطمئن کر رکھا ہے اور کہیں نہ کہیں اپنے دل کو جما رکھا ہے، اسے تو اطمینان حاصل ہے۔ جس کلام میں، جس بات میں مخاطب کی ذہنی اور فکری رعایت شامل نہ ہو وہ غیر حکیمانہ کلام ہے یعنی اس میں Wisdom نہیں ہے۔

مثلاً ایک خاتون ایک گاؤں میں جا کر بہت ہی اچھی گفتگو کرتی ہیں لیکن سامنے والوں کو کچھ سمجھ نہیں آتا کیونکہ اس گاؤں میں کسی کو پتہ ہی نہیں تھا کہ کمپیوٹر کیا ہوتا ہے؟ وہ چلتا کیسے ہے؟ اور خاتون ساری مثالیں کمپیوٹر کی دے دے کر بیچاروں کو پریشان کرتی رہیں اور

لوگ سمجھے کہ دین سیکھنے کے لیے پہلے کمپیوٹر سیکھنا پڑے گا۔ظاہر ہے کہ یہ مثال ان کے اردگرد کے ماحول سے نہیں تھی جس کی وجہ سے بات دل تک رسائی حاصل نہیں کرسکی۔ یہ ایک غیر حکیمانہ فیصلہ تھا۔

اسی طرح ایک صاحب نے کسی شہر میں جا کر ایسی مثالیں دیں جو وہاں کے لوگوں کے مزاج سے میل ہی نہیں کھاتی تھیں، انہوں نے تجزیہ ہی نہیں کیا کہ اس شہر کے لوگوں کا مزاج کیسا ہے؟ یہ کن چیزوں کے پیچھے بھاگتے ہیں؟ ان کی کمزوریاں کیا ہیں؟ ان کے پیش نظر کون سی چیزیں ہیں جو بڑائی کا معیار بنی ہوئی ہیں؟ کہاں پر ان کا دل ودماغ اٹکا ہوا ہے؟ اس کو جانے بُوجھے، سمجھے بغیر انہوں نے ایک اور پسماندہ شہر کے بارے میں مثالیں دینی شروع کر دیں، لوگ اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کہ کب یہ گفتگو ختم ہو، آہستہ آہستہ سب لوگ اٹھنے لگ گئے اور گفتگو کے اختتام پر سوائے چند لوگوں کے کوئی بھی موجود نہیں تھا اور وہ چند لوگ بھی مروتاً بیٹھے ہوئے تھے۔

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آپ اندر کی بیماری کو نہیں پکڑتے، نبض پر ہاتھ نہیں رکھتے تو بات دل تک نہیں جاتی۔ جب نبض پر ہاتھ رکھا جائے تو دوسرا ضرور کہتا ہے کہ واقعی یہ میرا مسئلہ ہے، اس کو حل ہونا چاہیے۔ جو نبض پر ہاتھ رکھے وہی حکیم ہے، وہی حکمت کو جانتا ہے اور وہی علاج کرسکتا ہے۔ ایک داعی اندر کی بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔ اسی لیے تو ربّ العزت نے فرمایا:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ

''اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت کے ساتھ''۔

دوسرا اصول: عمدہ نصیحت

عمدہ نصیحت سے کیا مراد ہے؟ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بات کرنے کے لیے کسی کے پاس سینکڑوں دلیلیں موجود ہیں اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ چونکہ میرے پاس دلائل ہیں اس لیے دوسرے فرد کو فوراً میری بات مان لینی چاہیے۔ لیکن عمدہ نصیحت یہ نہیں ہے کہ ایک انسان دوسرے پر اپنی علمی برتری ثابت کردے کیونکہ آپ علمی طور پر جو کچھ بھی کہنا چاہیں گے، بات دل تک تبھی پہنچے گی جب دوسرا خیر خواہی محسوس کرے گا اور اسے اپنے لیے بہتر محسوس کرے گا۔ اگر نصیحت نہیں ہے اور محض دلیل کی باتیں ہیں تو بات دل تک نہیں پہنچے گی۔

موعظہ حسنہ یہ ہے کہ صرف عقلی دلائل نہ دیے جائیں بلکہ برائی کے لیے جو نفرت انسان کے اندر پائی جاتی ہے اسے اُبھارا جائے حتیٰ کہ سامنے والے کو یہ محسوس ہو کہ یہ واقعی میرا مسئلہ ہے اور اسے حل ہو جانا چاہیے۔

بُرے نتائج کا خوف دلانا بھی عمدہ نصیحت ہے کہ اگر زندگی میں یہ غلط سلسلے جاری رہے تو ان کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ انسان فطرتاً مستقبل پرست ہے، جب اُسے پتہ چلتا ہے کہ فلاں چیز مجھے نقصان دے گی تو وہ اس سے بچنا چاہتا ہے اور جس چیز کے بارے میں پتہ چلے کہ فائدہ دے گی تو اس کی طرف لپکنا چاہتا ہے۔ مخاطب کے دل میں اچھائی سے محبت پیدا کر دینا اور بہترین مستقبل کی تمنا کو اندر سے ابھارنا بھی موعظہ حسنہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام دو کام کرنے ہی تو آئے تھے، ایک اِنذار (یعنی ڈرانا) اور دوسرا تبشیر (یعنی خوشخبری یا بشارت دینا) انسانوں کے اندر سے ہی انہوں نے برے انجام کے خوف اور اچھے انجام کی محبت کو اُبھارا تھا۔

نیکی تو اندر موجود ہے، اچھے انجام کی محبت بھی ہے اور اچھا مستقبل بھی ہر انسان چاہتا ہے۔ تو دعوت دینے والے کا کام کیا ہے؟

کہ جو انسان اس دنیا میں سب کچھ تلاش کرنا چاہتا ہے، اُس کو یہ بتائے کہ سب کچھ یہاں لینے کی بجائے آگے (آخرت) کے لیے Postpone کر لو۔ مثلاً ایک انسان بہت خوبصورت گھر کی تمنا رکھتا ہے تو اُسے دعوت دینا بہت ہی آسان ہے، جنت کو سمجھنا جتنا اُس کے لیے آسان ہے اتنا اُس شخص کے لیے نہیں ہے جسے اچھے گھر کی تمنا ہی نہ ہو۔ اسی طرح اگر ایک شخص بہترین لباس پہننا چاہتا ہے اور اسے اس کی شدید تمنا ہے چاہے وہ ایسا لباس خرید سکے یا نہ خرید سکے، ایسے شخص کی اس تمنا کو آخرت کی طرف موڑنا ہی دراصل موعظہ حسنہ (عمدہ نصیحت) ہے۔ یہی کام کرنے والا ہے اور یہی کام تمام انبیاء علیہم السلام نے کیا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتنے احسن طریقے سے اپنے ساتھیوں کے اندر جنت کی خواہش کو اُبھارا تھا کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: ”خدا کی قسم! مجھے اُحد پہاڑ کے پیچھے سے جنت کی خوشبو آرہی ہے“۔ یعنی میں اس خوشبو کو محسوس کرتے ہوئے اب دنیا کی طرف مائل نہیں ہوسکتا، اب تو شہادت چاہیے۔ انسانوں کو کوئی ایسی ہی چیز دِکھا دینا جس کے لیے وہ زندگی قربان کر دینا چاہیں۔

؎ دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

انسان کے اندر نیکی سے محبت اور برائی سے نفرت کا جو جذبہ موجود ہے اس کو اُبھار کر باہر لے آنا ہی موعظہ حسنہ ہے۔ اگر نصیحت کرتے ہوئے دل شکنی نہ کی جائے بلکہ خیر خواہی اور دل سوزی کو پیش نظر رکھا جائے، سامنے والے کے مسئلے کو اپنا اور اس کا مشترکہ معاملہ بنا کر بات کی جائے تو ایسی نصیحت اثر کرتی ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں ، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

یعنی دل سے نکلی ہوئی بات ہی دل پر اثر کرتی ہے اور اگر باتیں صرف زبان پر ہوں تو وہ دل تک نہیں پہنچتیں۔اس لیے ایک داعی کے اندر ان صفات کا ہونا ضروری ہے۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ

☆دعوت دینے والے کے اندر دل سوزی کیسے پیدا ہوتی ہے؟

☆دعوت کا غم کسی کو کیسے لاحق ہوتا ہے؟

☆انسانوں کے اندر دوسروں کی خیر خواہی کہاں سے آتی ہے؟

اپنی پکڑ کے احساس سے۔

جب انسان جنت کو اپنے سامنے دیکھنے لگے۔

جب جہنم کی لپٹیں اپنے اردگرد محسوس کرے۔

پھر اُس کے اندر آگ لگ جاتی ہے، پھر اُسے محسوس ہونے لگتا ہے کہ میں نے خود بھی بچنا ہے اور دوسروں کو بھی بچانا ہے ، یہی درحقیقت خیر خواہی ہے ، یہی دردمندی اور ہمدردی ہے اور یہی موعظۂ حسنہ ہے، یہی دعوتِ دین کی دوسری بنیادی خصوصیت ہے۔ جس شخص نے جنت اور جہنم کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے باندھا ہو وہی دوسروں کو بھی دکھا سکتا ہے۔جس نے خود ہی نہ دیکھا ہو اور اپنے ذہن میں تصور ہی نہ باندھا ہو وہ دوسروں کو بھلا کیسے دکھلائے گا؟

تیسرا اصول: مجادلۂ حسن

ربّ العزت فرماتے ہیں: وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ

”ان کے ساتھ مباحثہ کرو، ایسے طریقے پر جو بہترین ہو“۔

مباحثہ کیا ہے؟ مناظرہ، اور مناظرہ یہ ہے کہ انسان دلیل سے دوسرے کی بات، اس کے نظریے، اس کی سوچ اور approach کو غلط ثابت کرے یعنی یہ مناظرہ ایسا نہ ہو کہ دنگل شروع ہو جائے، ایک بات اِس طرف سے آئے اور ایک دوسری طرف سے، آوازیں بلند ہو جائیں، جھگڑا ہو، ایسا لگے کہ ابھی خون خرابہ ہو جائے گا بلکہ جدال کے لیے جو شرط عائد ہوتی ہے وہ کیا ہے؟

''مباحثہ ایسے طریقے پر کرو، جو بہترین ہو''۔

یعنی کج بحثیاں نہ ہوں، خواہ مخواہ کی بحث نہ ہو، الزام تراشیاں نہ ہوں، چوٹیں نہ ہوں، پھبتیاں نہ ہوں، اس کا مقصد یہ نہ ہو کہ دوسرے کو خاموش کروا دیا جائے بلکہ سامنے والے کے شعور کو بیدار کرنا اصل مقصد ہو۔ ایسا تبھی ممکن ہے جب کلام کی مٹھاس دوسروں کے دلوں میں اندر تک اتر جائے، چاہے دلیل کی بات ہو لیکن شیریں کلامی کے ساتھ، شریفانہ اخلاق کے ساتھ اور دل لگتے دلائل کے ساتھ، دوسرے کے شعور کو جھنجھوڑا جائے تو یہ مجادلۂ حسنہ ہے۔ یعنی پُر پیچ راستوں کے بجائے سیدھے طریقے سے دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے لیکن اگر کوئی کج بحثی پر اتر آئے تو پھر کیا کریں؟ ربّ العزت نے فرمایا: چھوڑ دیں۔ عبادالرحمٰن کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے ربّ العزت فرماتے ہیں:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا [الفرقان:63]

''اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ کہتے ہیں السلام علیکم۔''

کیونکہ اسلام تو سلامتی کا پیغام دیتا ہے، سلامتی کے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے، اِس زندگی کی سلامتی بھی اور آخرت کی سلامتی بھی، دارالسلام یعنی جنت تک پہنچنے کی دعوت۔

ربّ العزت ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ [125]

”تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اُس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہِ راست پر ہے۔“

یعنی تمہارا کام یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو ربّ کے راستے سے مزید دور لے جاؤ، فیصلہ تو اللہ تعالیٰ نے کرنا ہے کہ کون ہدایت پر ہے اور کون گمراہی پر؟ لہٰذا تم بھی یہ کام اللہ پر چھوڑ دو کیونکہ تمہارا کام فیصلہ کرنا نہیں بلکہ دل کے اندر جگہ بنانا، شعور کو اجاگر کرنا، نیکی کا جو جذبہ اندر ہے اُسے اُبھارنا اور بدی کے خلاف نفرت پیدا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ [126]

”اور اگر تم لوگ بدلہ لو تو بس اسی قدر لے لو جس قدر تم پر زیادتی کی گئی ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں ہی کے حق میں بہتر ہے“۔

اگر مجادلہ ہو تو فریقِ مخالف کی طرف سے زیادتی ہو سکتی ہے، ایسے موقع پر بدلہ لینے کی اجازت ہے لیکن بدلہ لینے کی بجائے اگر صبر کیا جائے اور معاف کر دیا جائے تو یہ زیادہ اچھا ہے۔ یہی عزیمت کا راستہ ہے۔ صبر کرنے والوں کے لیے تو بھلائی ہی بھلائی ہے۔ پھر آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ

”[اے نبی ﷺ!] صبر سے کام کیے جاؤ اور تمہارا یہ صبر اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے۔“

نبی ﷺ سے کہا گیا کہ اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو نہ مانیں، آپ صبر کریں۔ اللہ چاہے گا تو صبر ملے گا۔ دعوت کے میدان میں ایک موڑ ایسا آتا ہے جب انسان کے لیے صبر کرنا دُشوار ہو جاتا ہے۔ جب انسان کی ذات پر حملے ہوں، جب اُس کے کردار پر کیچڑ اُچھالا جائے، جب ربّ العزت کی ذات پر باتیں بنائی جائیں اور جب پورا اسلام مطعون کیا جائے تو اس موقع پر انسان کے لیے صبر کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ ”تمہارا یہ صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔“

صبر کرنا ہے تو پھر کیا نہیں کرنا؟ کس چیز سے بچنا ہے؟

وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ [127]

”ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چالبازیوں پر دل تنگ ہو۔“

تمہارے دل میں ان کی چالبازیوں کے خلاف تنگی نہ آئے۔ یہ جو ہر وقت تمہارے خلاف منصوبے بناتے ہیں، اس پر تمہارا دل تنگ نہ ہو۔ جو یہ کرتے ہیں انہیں کرنے دو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَمَکَرُوْا وَمَکَرَ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ [آل عمران:54]

”انہیں بھی تدبیریں کرنے دو اور اللہ بھی تدبیر کر رہا ہے اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔“

تمہارا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے۔ ان لوگوں کی حرکات پر رنج نہ کرو اور نہ ان کی چالبازیوں پر دل تنگ ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو تسلّی دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ [128]

”اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو تقویٰ سے کام لیتے ہیں اور احسان پر عمل کرتے ہیں۔“

یعنی اللہ تو ان کے ساتھ ہے

جو اس سے ڈرتے ہیں۔

ہر قسم کے برے طریقوں سے گریز کرتے ہیں۔

ہمیشہ نیک رویے پر قائم رہتے ہیں۔

تین بنیادی اصولوں کے ساتھ کتنی خصوصیات بتائی گئیں: صبر کرنا ہے، غم نہیں کھانا، کڑھنا نہیں ہے، جلنا نہیں ہے۔

دعوت کے میدان میں انسان کو جو چیز سب سے زیادہ کام دیتی ہے وہ کڑھنے، جلنے اور غم کھانے سے گریز کرنا ہے۔ یہ برائیاں ایسی ہیں جو انسان کو اپنے اندر سمو لیتی ہیں، بار بار کسی کی طنز بھری بات یاد آجاتی ہے، کسی کا طعنہ، کسی کا مذاق یا زبان کی چوٹ اور بعض اوقات ایسی بات ہوتی ہے جو دل کے اندر برچھے کی طرح اُتر جاتی ہے اور انسان پھر اس

کے اثرات سے نکل نہیں پاتا۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

غم نہیں کرنا۔

کافروں کی چالبازیوں پر دل تنگ نہیں کرنا۔

تقویٰ سے کام لینا ہے۔

احسان کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا ہے۔

لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرتے رہنا ہے۔

یہ دعوتی طریقہ کار ہے جو سورہ النحل میں بتایا گیا۔اب نحل یعنی 'شہد کی مکھی' کا اس دعوتی طریقہ کار سے رشتہ جوڑیں۔

دعوت شہد ہے۔یہ داعی کے اندر پہلے تیار ہوتا ہے پھر لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔پھر جب داعی دعوت دیتا ہے تب

فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ [النحل:69] ''اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔''

پہلے کبھی سورۃ النحل کو اس نظر سے پڑھا تھا؟

دعوتِ دین کے لیے جو اصول اللہ تعالیٰ نے بتائے، انبیاء علیہم السلام نے ان اصولوں کی پاسداری کیسے کی؟ اس حوالے سے دو مثالیں اس وقت ہمارے سامنے ہیں:

پہلی مثال حضرت یوسف علیہ السلام کی، ان کے پاس زنداں میں جب دو افراد آئے اور ان سے کہا کہ ہمیں ہمارے خوابوں کی تعبیر بتا دیجیے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا:

لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَٰنِهِۦٓ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِۦ قَبْلَ أَن يَأْتِيَكُمَا ۚ

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ط[یوسف:37]

''جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں ان خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔ یہ علم ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا کیے ہیں۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے وضاحت کردی کہ یہ میرا کمال نہیں ہے بلکہ میرے رب کی عطا ہے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا:

اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ط [یوسف 37,38]

''واقعہ یہ ہے کہ میں نے ان لوگوں کا طریقہ چھوڑ کر جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، اپنے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور یعقوب علیہ السلام کا طریقہ اختیار کیا ہے۔''

دعوت کے میدان میں ایک داعی کی بہت مخالفت ہوتی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ تم اچھے بھلے تھے، تمہارے والدین اچھے بھلے، ٹھیک ٹھاک تھے، آخر تمہیں کیا ہو گیا؟ حضرت یوسف علیہ السلام کی مثال میں ہمارے لئے سبق ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا:

مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ط ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ [یوسف:38]

''ہمارا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ رب العزت کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائیں۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہم پر اور تمام انسانوں پر [کہ اُس نے ہمیں

اپنے سوا کسی کا بندہ نہیں بنایا] مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔‘‘

اب بھلا اس بات کی مخالفت کون کرسکتا ہے؟ حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا کہ ہم اللہ کے بندے ہیں، ایک اللہ پر یقین رکھنے والے ہیں، ہم آخرت کی جواب دہی پر یقین رکھتے ہیں۔ پھر مزید بتایا:

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ [یوسف 40-39]

’’اے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرمانروائی [حکم دینے] کا اختیار اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔ اُس کا حکم ہے کہ تم اللہ کے سوا کسی کی غلامی نہ کرو [صرف اللہ کی مانو] یہی ٹھیٹھ سیدھا طریقۂ زندگی ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔‘‘

پیغمبروں کے طریقۂ دعوت کو سامنے رکھیں تو ان مثالوں سے ہمیں بہت فائدہ ہوسکتا ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ دعوت کو بار بار پڑھنا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اسے پڑھے بغیر انسان کو دعوت دینی نہیں آتی۔ سورۃ البقرہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو دیکھیں جو انہوں نے نمرود کے دربار میں دی۔ یہ خالصتاً ایک اللہ کی دعوت تھی۔ فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ [البقرہ:258]

”کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیم علیہ السلام کا رب کون ہے اور اس بناء پر کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ میرا ربّ وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے۔“

قَالَ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ [البقرہ:258]

”تو اس نے جواب دیا: زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے۔“

یوں مجادلہ شروع ہو گیا۔

قَالَ اِبْرٰھٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ [البقرہ:258]

”ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اچھا، اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تم ذرا اس کو مغرب سے نکال کر دکھا دو۔“

یہ مجادلۂ حسنہ ہے، ایسی جگہ سے پکڑا کہ نمرود سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ربّ العزت فرماتے ہیں:

فَبُهِتَ الَّذِیْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ [البقرہ:258]

''یہ سن کر وہ منکرِ حق حیران و ششدر رہ گیا مگر اللہ ظالم قوم کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔''

چاہے اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا مگر ایک داعی کا کام یہ ہے کہ وہ دعوت پھر بھی دیتا رہے۔اسی طرح سے دیگر انبیاء علیہم السلام کا طریقہ دعوت دیکھیے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے دربار میں جو دعوت دی تھی، اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعوت اپنے اہلِ خاندان کو کوہِ صفا پر دی تھی، ہمیں اس کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوتی خطبات، مختلف مواقع پر جیسے جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی، خاص طور پر یثرب سے آنے والے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے دعوت دی، یہ طریقہ دعوت سیکھنے کے لیے سیرت کی کتب کو زیرِ مطالعہ لانا، اپنے لیے آہستہ آہستہ روزانہ کسی واقعے سے کچھ سیکھنا اور اسے عمل میں لانا ہمیں دعوت دینے میں بہت مدد دے گا۔

'پیغمبروں نے کیسے دعوت دی؟' یہ دعوتی مثالیں اکٹھی کرنا ایک دن کا کام نہیں ہے، اس کے لیے مطالعہ قرآن و سیرت سے بتدریج باتیں ملتی جائیں گی، ان میں کچھ مثالیں مجادلۂ حسنہ کی ہوں گی، کچھ مثالیں موعظۂ حسنہ کی اور کچھ حکمت کی جیسے آج ہم نے دیکھیں۔اس طرح ہمارے لیے دعوت دینے کا عمل آسان ہو جائے گا۔[انشاءاللہ]

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کی وہ ہمیں پیغمبروں اور اللہ والوں کی زندگیوں سے دعوت کے طریقے سیکھنے اور ان کے مطابق سچے دین کی دعوت و تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ان سب جذبوں اور کاوشوں کو قبول فرمالے۔[آمین]

[سی ڈی سے تدوین، تعلیم القرآن 2006ء]